حالی کی مذہبی فکر پر مغرب کا اثر
(حیات جاوید کی روشنی میں)

ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

مہدی افادی نے شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۴ء) کو اردو ادب کے عناصر خمسہ میں شمار کیا ہے۔ دوسرے چار بزرگ سر سید، نذیر احمد، شبلی اور محمد حسین آزاد ہیں۔ اگر اس فہرست سے آزاد کو خارج اور ذکاء اللہ کو شامل کر لیا جائے تو اس 'بنات النعش' میں سر سید کی حیثیت قطب اور بقیہ کی چار پایوں کی ہے۔ سر سید (۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء) اس دبستان ادب کے نہ صرف بزرگ ترین رکن تھے، بلکہ ان کی حیثیت امیر، رہ نما اور سرپرست کی تھی۔ انہوں نے اپنی جامع الصفات شخصیت کی وجہ سے ایک محور کی حیثیت اختیار کر لی تھی جس کے گرد اس وقت مسلمانوں کی تقریباً تمام ہی سیاسی، سماجی، ادبی، علمی، تعلیمی اور مذہبی سرگرمیاں گردش کرتی تھیں۔ ان کی کوششوں ہی کا ثمرہ تھا کہ مسلم قوم میں تعلیمی، ثقافتی، سائنسی اور قومی شعور بیدار ہوا، جس کا ایک زندہ مظہر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے۔ سر سید کے حالات زندگی پر سب سے پہلے ان کی وفات سے تیرہ سال پہلے کرنل گریہم نے قلم اٹھایا تھا، لیکن اس وقت کے انگریزی اخبارات میں اس پر جو تبصرے شائع ہوئے ان میں اسے نامکمل قرار دیا گیا تھا۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ کو سب سے پہلے سر سید کی سوانح حیات لکھنے کا خیال مدرسۃ العلوم کے سلسلہ میں ان کی کاوشوں اور تہذیب الاخلاق میں ان کے تعلیمی و اصلاحی مضامین کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ان کی تصنیف 'حیات جاوید' سر سید کی وفات کے بعد ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔ بقول ڈاکٹر قمر رئیس ''حیات جاوید کا خاکہ ۱۸۷۱ء میں تیار ہوا اور تصنیف ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔ اس طرح تیئیس سال میں اس کا مواد تیار رہوا''[۱]۔ ڈاکٹر قمر رئیس کا یہ بھی خیال ہے کہ ''تنقید،

انشائیہ اور شاعری کے میدان میں بھی حالؔی کو وہ امتیازی کامیابی اور مقبولیت حاصل نہ ہوئی جو سوانح نگاری میں ہوئی''۲۔ انہیں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''حالی نے سوانح کے مغربی تصور کے زیر اثر اسے تاریخ سے الگ کر کے ایک علحدہ اور آزاد فن اور ادبی صنف کا درجہ دیا''۳۔ ان کے نزدیک ''سعدی، غالب اور سرسید تینوں اپنی صلاحیتوں اور قدروں کے اعتبار سے دراصل حالی ہی کی شخصیت کے تین رخ تھے ....ان تینوں کی سوانح لکھ کر گویا حالی نے خود اپنی سوانح عمری مکمل کی ہے''۴۔ اس کے برخلاف محقق رشید حسن خاں کی رائے ہے کہ'' مولانا حالی محقق نہیں تھے۔ وہ روایتوں کو اس طرح قبول کر لیا کرتے تھے جس سے غلط فہمی کے دروازے کھل سکتے ہیں''۵۔ سید عبد اللہ کہتے ہیں 'حیات جاوید' سوانح کے توسیعی تصور کا ایک شاہ کار ہے''۶۔ واضح رہے کہ حالی کے معاصر شبلی نے تحقیق اور استناد کی وہ روایت قائم کی جس نے بعد میں تحقیق کے لئے ایک شرط کا درجہ حاصل کیا۔

دبستان سرسید کے دوسرے سوانح نگار شبلی نعمانی ہیں۔ حالی اور شبلی دونوں کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہوا ہے۔ اگرچہ شبلی عمر میں حالی سے بہت چھوٹے تھے، لیکن دونوں کی لکھی گئی سوانح عمریاں تقریباً ایک ہی زمانہ میں شائع ہوئیں۔ علامہ شبلی کی 'حیات امام ابو حنیفہ' ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ 'المامون' اس سے پہلے شائع ہوچکی تھی اور 'الفاروق' کا مواد تیار تھا۔ حالی کی 'حیات سعدی' کا پہلا اڈیشن ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا۷۔ اور 'یادگار غالب' کا پہلا اڈیشن ۱۸۹۷ء میں ۸۔ اس طرح یہ دونوں بزرگ اپنی حیات کی طرح سوانح نگاری میں بھی ہم عصر تھے۔ اس کے باوجود دونوں کے انداز تحقیق میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ شبلی کے نزدیک 'حیات جاوید' سرسید کی یک رخی تصویر ہے۔ اس کا انداز تحریر مدلل مداحی ہے: ''میں 'حیات جاوید' کو لائف نہیں بلکہ 'کتاب المناقب' سمجھتا ہوں اور وہ بھی غیر مکمل''۹۔ لیکن مہدی افادی کے نزدیک ''حیات جاوید، ایک شریف انسان کے قلم سے ایک شریف تر انسان کی سرگزشت ہے''۱۰۔ سید عبد اللہ کا کہنا ہے کہ 'حیات جاوید' کی شہرت کو شبلی کے قلم سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا حالی کے اس دیباچہ سے جو 'حیات جاوید' کے شروع میں ہے''۱۱۔ ان سب کے باوجود سید عبد اللہ اس بات

کے مؤید ہیں کہ "اردو کا بہترین سوانح نگار ہونے کا فخر ابھی تک حالی کو حاصل ہے" ۱۲۔

حالی کے تصنیف کردہ تین سوانحی تذکروں میں 'یادگار غالب' مختصر ترین ہے، جس میں کتاب کا بیش تر حصہ کلام غالب کی شرح ہے۔ 'حیات سعدی' کی ضخامت 'یادگار غالب' سے زیادہ ہے۔ اس میں بھی سوانح کا حصہ بہت کم اور زیادہ حصہ تنقیدی ہے۔ لیکن 'حیات جاوید' کو اردو زبان کی طویل ترین سوانح میں شمار کیا جا سکتا ہے، جب کہ حالی اسے مختصر بھی کر سکتے تھے لیکن ع۔ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم، کے تحت اس کا پہلا اڈیشن گیارہ سو صفحات سے زیادہ پر مشتمل تھا۔ مقالہ نگار کے پیش نظر کتاب کا جو نسخہ ہے وہ 'ترقی اردو بورڈ' کا ۱۹۷۹ء کا شائع کردہ اڈیشن ہے جس میں متن کتاب کی ضخامت بڑی تقطیع کے ۸۷۵ صفحات اور بعد ازاں ضمیمہ جات اور قاموس الاعلام (انڈکس) تا ۹۸۴ صفحات ہے۔ اتنی ضخیم کتاب کا پڑھنا آسان نہیں ہے، اس لیے 'انجمن ترقی اردو' نے اس کی ایک تلخیص شائع کی ہے جو بہار الہ آبادی کی محنت کی مرہون منت ہے۔ یہ تلخیص بھی کتابی سائز کے ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کی پیش کش انتہائی ناقص ہے۔ 'ترقی اردو بورڈ' کی شائع کردہ اصل کتاب اگرچہ کتابت اور طباعت کے لحاظ سے بہتر ہے لیکن اس کا کاغذ خستہ ہے۔

مقالہ کے عنوان کا اقتضا یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کی وضاحت کی جائے کہ 'مغرب کے اثرات' سے مقالہ نگار کی کیا مراد ہے؟ 'مغرب کے اثرات' سے مراد ہے اقدارِ زندگی میں وہ ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی فکر اپنانا جو مشرق کی اور خصوصاً مسلم اقدار اور فکر کی نفی کرتی ہوں۔ اس میں مغرب کے علمی افادات اور سائنسی ترقی و انکشافات سے فائدہ اٹھانا شامل نہیں ہے، جیسا کہ حالؔی نے 'مقدمہ شعر و شاعری' میں مغربی انداز نقد کو اپنے اصول تنقید میں جگہ دی ہے اور بہت سے مغربی نقاد اور شعراء کی فکر سے استناد کیا ہے۔ مغرب سے استفادہ کرتے ہوئے حالؔی اور محمد حسین آزادؔ نے نظم کی صنف کو اردو زبان میں متعارف کرایا اور خود بہت سی مفید نظمیں لکھیں۔ ثابت شدہ سائنسی حقائق کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کرنا بھی اس زمرے میں نہیں آتا۔ علامہ طنطاوی

جوہری کی ضخیم 'تفسیر جواہر' اس کی واضح مثال ہے۔ کیونکہ علم اور سائنس کسی کی ذاتی جائداد نہیں ہیں۔ البتہ بلا وجہ انگریزی الفاظ کا بے دریغ استعمال، جب کہ اردو زبان میں ان کے مترادفات اور ہم معنی الفاظ موجود اور مروج ہیں، مغرب سے اثر پذیری میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر حالؔی نے اپنی نثر میں بے شمار انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ہم ذیل میں کچھ الفاظ اور ان کے اردو مترادفات دے رہے ہیں۔ اس سے ہماری بات کی وضاحت ہو سکے گی۔

سلف رسپکٹ (خودداری)، کریٹیکل (تنقیدی)، پالٹکس (سیاست)، فزیکل قابلیت (جسمانی صحت)، ماٹو (مقصد)، ہسٹری (تاریخ)، سوشل اور مورل (سماجی اور اخلاقی)، ڈسپاٹک گورنمنٹ (آمرانہ حکومت)، فونڈیشن اسٹون (سنگ بنیاد)، اسپیچ (تقریر)، لبرٹی (آزادی یا حریت)، میوٹنی (غدر)، ریپریزنٹیٹیو اصول (نمائندہ اصول)، مجارٹی (اکثریت)، اِیسّے essay (مضمون یا مقالہ)، ریفارمیشن (اصلاح) پروفٹ (پیغمبر) وغیرہ۔ ایسے بے شمار الفاظ ہیں جنہیں حالی نے بلاضرورت اپنی کتابوں میں استعمال کیا ہے۔ اس سے نہ صرف حسن کلام متأثر ہوا ہے، بلکہ انگریزی زبان سے ان کی مرعوبیت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

مولانا حالؔی کے نزدیک سرسید کی قوت عمل کا محرک مذہب تھا، کیونکہ ان کا تعلق شاہ غلام علی کی خانقاہ اور شاہ عبدالعزیز اور مولوی محمد اسماعیل کی علمی مجالس دونوں سے تھا[۱۵]۔ فقہی مسلک میں وہ غیر مقلد یعنی مولانا اسمٰعیل کے مسلک کے پابند تھے۔ اگرچہ یہ بات 'حیات جاوید' میں نہیں ہے، لیکن باوثوق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالی کے ذکر کردہ اساتذہ کے علاوہ سرسید نے مولانا مملوک علی سے بھی کچھ کتابیں پڑھی تھیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی مولانا مملوک علی کے شاگردوں میں تھے۔ اسی لیے سرسید نے مدرسۃ العلوم کے شعبۂ دینیات کو ان کے داماد مولانا عبد اللہ انصاری کے سپرد کیا تھا اور انہیں 'شیخ الاسلام' کا خطاب دیا تھا۔

حالی اور سرسید 'نیچر' کا بہت وظیفہ پڑھتے ہیں۔ رفقائے سرسید میں شبلؔی واحد

آدمی ہیں جو افکار مغرب سے مرعوب نہیں ہوئے، لیکن حدیث کے مسئلہ میں 'درایت' کی انھوں نے جو تعریف فرمائی ہے اس میں انہوں نے بھی اقتضائے طبیعت (nature) کے مطابق ہونے کو حدیث کی صحت کی شرط قرار دیا ہے۔۱۳

سرسید کی پوری زندگی مسلمانوں کی خیر خواہی اور اسلام کے دفاع میں گزری۔ ان کے بعض خیالات اور خصوصاً قرآن کی تفسیر اور بعض احکام کی تاویل صرف علماء نہیں بلکہ عوام کے لئے بھی اجنبی تھے۔علمائے کرام نے اس معاملہ میں ان سے معارضے کئے۔ ان کے خلاف محاذ بھی قائم ہوئے، لیکن سرسید اپنی تاویلات میں ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ سرسید کے رفقاء میں بھی اکثر حضرات ان کے تجدد کے شاکی رہے، لیکن یہ اختلاف (یا شکایت) سرسید کے قومی کاموں میں ان کے ساتھ تعاون میں مانع نہیں ہوا۔

مطالعہ اور تجرباتِ زندگی نے سرسید کی فکر کی جو تربیت کی اس میں تعقل اور تفکیر نے اپنی جڑ مضبوطی سے جمالی۔وہ تقلید کے زبردست مخالف تھے۔ان کی تمام تحریریں ان کے اپنے ذہن کی اپج ہیں۔اپنے وقت کے مدارس میں زیر درس ساری کتابیں وہ پڑھ چکے تھے۔ان کے متون سے انہوں نے حسب ضرورت فائدہ اٹھایا۔اپنی اس محنت سے وہ جس نتیجہ پر پہنچے وہ حالی کی زبان میں ''ان کی تلاش وجستجوئے حق کا نتیجہ **الاسلام ھو الفطرة والفطرة ھو الاسلام** تھا۔۱۴

معاشرتی اور تعلیمی اصلاح تو ان کا مشن ہی تھا، لیکن اسلام پر دوسرے مذاہب خصوصاً عیسائیوں کے حملوں کے جواب میں انہوں نے کتابیں لکھیں۔حالی نے سرسید کی مذہبی خدمات کا نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ان کی یہ تحریر 'حیات جاوید' کے صفحہ ۴۱۳ سے صفحہ ۵۷۳ تک پھیلی ہوئی ہے۔انہوں نے بطور تمہید یہ بتلایا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان تین طرح کے خطرات میں مبتلا تھے۔پہلا خطرہ عیسائیوں کی طرف سے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مسخ کرنا تھا۔اس ذیل میں مولانا حالی نے بجا طور سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولوی آل حسن اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ کے دفاعی مناظروں کی افادیت کا اعتراف کیا ہے۱۵۔لیکن حالی جیسے عالم دین کے قلم سے

پیغمبر اسلام کے لیے ' بانئ اسلام ' کے لفظ کا استعمال حیرت ناک ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حالی بھی سر سید کی طرح اہل مغرب کی اس فکر سے متأثر تھے کہ حضرت محمد ﷺ اسلام کے بانی ہیں ۔ حالی کے نزدیک دوسرا خطرہ سیاسی اسباب سے تھا۔ چونکہ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لئے وہ خصوصیت سے مسلمانوں کے در پے آزار تھے۔ تیسرا خطرہ ان کے نزدیک مذہب اسلام کو انگریزی تعلیم کی طرف سے تھا۔ سرسید کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو انگریزی کے بجائے عربی و فارسی ہی میں تعلیم ملنی چاہیے، لیکن بعد میں وہ بھی قائل ہوگئے تھے کہ ان کے لئے انگریزی تعلیم بھی ضروری ہے، ورنہ دنیوی ترقی میں وہ ابنائے وطن سے پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ سوانح ہمیں بتاتی ہے کہ سرسید نے ان تینوں خطروں کا مقابلہ کیا۔ سرسید کے سیاسی افکار پر علحدہ گفتگو کی گئی ہے۔[۱۶] ان کے مذہبی تفردات کی فہرست کافی طویل ہے لیکن مقالہ کے محدود عنوان کے تحت یہاں ان کے صرف چند ہی تفردات کا ذکر کیا جائے گا جن میں انہوں نے مسلمانوں کی متفقہ اور مسلمہ فکر سے اختلاف کیا ہے اور جس کا سبب مغرب سے مرعوبیت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ حالی کا کردار اس سلسلہ میں یہ ہے کہ انہوں نے سرسید کے خیالات پر صرف مثبت انداز میں گفتگو کی ہے اور اکثر جگہ اس کی تصویب میں دلائل پیش کیے ہیں۔

جس طرح سرسید انگریزوں سے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی خاطر سینہ سپر رہے ویسے ہی عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر ہونے والے حملے کے دفاع میں بھی وہ پیش پیش رہے۔ لیکن ان کی اصل کوشش یہ تھی کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں قربت اور مؤدت پیدا کی جائے، کیونکہ قرآن کے بیان کے مطابق یہودیوں کے مقابلہ میں نصاریٰ زیادہ نرم خو ہیں (المائدہ: ۸۲)۔ اس بات کو اجاگر کرنے کے لیے انھوں نے 'تبیین الکلام' تصنیف فرمائی۔ اس کا مقصد قرآن اور بائبل میں مطابقت ثابت کرنا تھا۔ یہ کتاب مکمل نہیں ہو سکی[۱۷]۔ اس لیے اس کے مندرجات کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ مولانا حالی نے اس کتاب کا جتنا تعارف کرایا ہے اس سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ نسخ اور تحریف لفظی کے معاملہ میں سرسید تمام علمائے سابقین کی آراء کے خلاف تھے۔ اتنا ہی

نہیں بلکہ بائبل کی تحریف کا قائل نہ ہونا تو سراسر خلاف قرآن تھا (البقرہ: ۷۹)۔ حالی نے خود اس کے برخلاف عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث، کفارہ اور خاتم النبین ﷺ کے انکار کی بنا پر عیسویت کو اسلام کے مغائر قرار دیا ہے ۱۸؎۔ لیکن بہرحال سر سید اپنی نیت اور جذبہ میں صادق تھے۔

سر سید سر ولیم میور کی 'لائف آف محمدؐ' کو پیغمبر اسلامؐ کے کردار پر زبردست حملہ تصور کرتے تھے۔ انہیں افسوس تھا کہ مسلمانوں میں کوئی اس کتاب کا جواب لکھنے کا اہل نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے خود اس کا جواب لکھا جو خطبات احمدیہ کے نام سے انگلستان میں شائع ہوا۔ سر سید نے اس کے مواد کے حصول کے لئے اپنی کوٹھی اور کتب خانہ بیچ کر لندن کا سفر کیا اور کتاب وہیں لکھی۔ حالی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں اس کا امتیازی وصف یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا اسلوب نہ مناظراتی اور جدلیاتی ہے نہ الزامی کہ جو مخاطب کو صرف خاموش کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا Approach ہر شخص کے لیے معقول اور اطمینان بخش ہے۔ انہوں نے کثرت ازدواج اور طلاق کے مسئلہ میں احکام اسلامی کا دفاع کیا ہے۔ سر سید نے سر ولیم میور کے اس اعتراض کا بھی شافی جواب دیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اسلام کا بائبل میں مذکور جنگ اور غارت گری سے تقابل کیا ہے۔ کتاب میں بارہ خطبے ہیں اور سر سید نے تمام خطبوں کا تعارف کرایا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ سر سید کی کتاب 'تبیین الکلام' کی تو دوسرے علماء کی طرف سے مخالفت ہوئی لیکن 'خطبات احمدیہ' پر کسی اختلاف کا حالی نے ذکر نہیں کیا ہے۔

سر سید کی تفسیر ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن مولانا حالی نے اس کے اکتالیس نکات کی نشان دہی کی ہے جو جمہور امت کی آراء کے خلاف ہیں۔ حالی نے جگہ جگہ تفسیر بالرائے کے حق میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''سر سید کے مذہبی استدلالات جو اس وقت مقبول نہیں ہوئے، وقت آنے کے ساتھ ساتھ انہیں قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا جائے گا'' ۱۹؎۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اس وقت تمام دنیا میں

مذہب کی صداقت کا معیار یہ قرار پایا ہے کہ جو مذہب حقائق موجودات اور اصول تمدن کے برخلاف ہو وہ مذہب سچا ہو ہی نہیں سکتا'' ۲۰۔ سرسید کے تفسیح اسرار قرآنی پر حالی یوں رطب اللسان ہیں: ''سرسید کی تلاش وجستجوئے حق کا نتیجہ **الاسلام ہو الفطرۃ و الفطرۃ ہو الاسلام** تھا'' ۲۱۔ سرسید کے قابل اعتراض افکار پر جو علمی اعتراضات ہوئے حالی انہیں فقط ایک آزمائش قرار دیتے ہیں اور دلیل میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں

اَفَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا ءَامَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت:۱)

''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے''۔ حالی سرسید کی اصابت فکر کے ثبوت میں ارشاد فرماتے ہیں'' **الدین النصیحۃ**''، یعنی دین خیر خواہی کا نام ہے۔ اس کے لیے تقدس کی نہیں بلکہ راست بازی کی ضرورت ہے۔ **انظر الی ما قال و لا تنظر الی من قال** ۲۲ (یہ دیکھو کہ کیا کہا، یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا)۔ حالی نے 'حیات جاوید' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ: ''سرسید نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی'' ۲۳۔ حالانکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ اسلامی لٹریچر میں اختلاف آراء وافکار کی وجہ سے تو اس میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اللہ کا قانون ہے: **بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ** (الانبیاء:۱۸) ''مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے''۔ حالی نے اسلامی تاریخ کے علمی و کلامی اختلافات کو سرسید کے تفردات کی حمایت میں پیش فرمایا ہے۔ حالاں کہ قدمائے اسلام کے فکری تفردات، خواہ وہ عقائد سے متعلق رہے ہوں یا علم کلام کے اور مباحث سے، ایک یا چند مسائل میں تھے، نہ کہ جملہ مسائل میں۔ انہوں افکار باطلہ کا کوئی جال نہیں بنا تھا۔ معتزلہ صرف احادیث صفات کا انکار کرتے تھے۔ احادیث کی مطلق حجیت کا انہیں اعتراف تھا۔ معتزلہ اور متکلمین کے ساتھ متأخرین فقہاء کی ایک مختصر جماعت نے صرف خبر واحد کو حجت ماننے سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن سرسید نے قبول احادیث میں صرف ایک اصول قائم کیا کہ اسے نیچر کے خلاف نہ ہونا چاہئے۔ نیچر کا کلمہ وہ اتنی بار

دہراتے ہیں کہ یہ ان کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ حالی بھی پوری کتاب میں نیچر ہی کے گن گاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ احادیث متواترہ کی حجیت پر تمام امت کا اجماع ہے، لیکن حالی لکھتے ہیں: ''اس زمانہ میں تواتر کو اس حالت میں مفید یقین مانا جاتا ہے جس کی روایت میں کوئی مضمون دلیل قاطع عقلی یا قانون قدرت کے خلاف مندرج نہ ہو'' ۲۴۔ اسی لیے سرسید معجزوں کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: ''معجزوں کا دلیل نبوت ہونا اور بات ہے، لیکن معجزات کا صدور اور بات ہے'' ۲۵۔ ان کا کہنا ہے کہ قوانین قدرت کبھی نہیں بدلتے، جیسا کہ قرآن میں مختلف مقامات پر ارشاد ہوا ہے، مثلاً سورۂ قمر میں ہے اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (القمر ۴۹) ''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے''۔ ایسی ہی آیات سورۂ رعد، فرقان، روم، فتح اور بنی اسرائیل میں ہیں۔ یہ حضرات اللہ کی قدرت کاملہ کو، جو کائنات کی فطرت میں تصرف کرنے پر قادر ہے، نہایت سہولت سے فراموش کر جاتے ہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ آیت ۲۵۹ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو مار کر سو سال بعد دوبارہ زندہ کر دیا۔ اس مدت میں اس کا کھانا تر و تازہ موجود تھا، لیکن گدھے کی ہڈیوں سے دوبارہ اسے کھڑا کر دیا گیا، یا اصحاب کہف کا واقعہ جو سورۂ کہف کی ابتدائی آیتوں میں ہے، یا مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں چلے جانے کا واقعہ، جس کا ذکر سورہ کہف کی آیت نمبر ۶۱ میں ہے، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر آسمان سے مائدہ نازل ہونے اور ان سے باذن الٰہی متعدد معجزات کے صادر ہونے کا بیان، جن کا ذکر سورہ مائدہ کی آیات نمبر ۱۱۴، اور ۱۱۰ میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزات کا ذکر تو بائبل میں بھی ہے لیکن 'نیچر' کے اس وظیفہ نے ان بزرگوں کی مغرب نوازی کو بھی مات دے دی ہے۔

حالی نے 'حیات جاوید' کے آخر میں صفحہ ۸۵۶ تا ۸۷۵، اپنا ایک طویل مقالہ نقل کیا ہے جو دسمبر ۱۸۹۹ء کے ماہ نامہ 'معارف' اعظم گڑھ میں شائع ہوا تھا۔ اس مقالہ میں انھوں نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے کہ قرآن میں اب نئی تفسیر کی گنجائش باقی ہے یا نہیں؟ سرسید آیات متشابہات پر ایمان لانے کے لیے بھی ان کا فہم ضروری سمجھتے

تھے ۲۶۔ آیات متشابہات کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے:

هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ أُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ. فَأَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْه ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَأْوِیلِهٖ . وَ مَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ . وَ الرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا . وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(آل عمران: ۷)

وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس میں محکم آیات ہیں جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری ایسی ہیں جو متشابہ ہیں ۔تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور ان کی اصل حقیقت معلوم کریں، حالانکہ ان کی اصل حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے ہی رب کی طرف سے ہیں ۔اور یاددہانی تو عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس آیت کی رو سے متشابہات کا علم اہل ایمان کے لیے ضروری ہی نہیں ہے، اس لئے سرسید کا یہ اصرار فہم سے بالا تر ہے ۔آیات متشابہات کے معنیٰ ومفہوم میں اسلاف میں اختلاف رائے واقع ہوا ہے،اس لیے حالی نے محکمات اور متشابہات پر جو گفتگو فرمائی ہےاس میں علمائے سلف کے ان اختلافات کا ذکر کیا ہے جو ان آیات کی تشریح میں وارد ہیں ۲۷۔

سرسید حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول کو غلط روایات پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ نہ صرف اس کے بارے متعدد صحیح روایات موجود ہیں، بلکہ قرآن میں بھی اس کے اشارے پائے جاتے ہیں ۲۸۔اور یہ امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے۔حد تو یہ ہے کہ مسیح موعود کے دوبارہ آنے کے منتظر نہ صرف مسلمان ہیں، بلکہ یہودی اور عیسائی بھی ہیں ۲۹ جو مسلمانوں کے ساتھ ایک محاربہ عظیم (Armageddon) کی تیاریوں میں مصروف ہیں ۳۰۔

حالی نے سرسید کی دینی خدمات کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے:''نہ وہ واعظ تھا نہ مفتی، نہ فقیہ تھا نہ محدث، نہ معانی و بیان کا ماہر تھا نہ منطق و فلسفہ کا مدعی ۔ باوجود اس کے زمانۂ حال کے شبہات جو لوگوں کے دل میں اسلام کی نسبت پیدا ہوتے تھے ان کا حل

کرنے والا تمام ہندوستان میں یہی ایک شخص تھا'' ۳۱؎۔ مزید فرماتے ہیں کہ: ''سرسید کے تمام اختلافات کا اصل مقصد اسلام کی طرف سے معترضین کے اعتراضات یا متشککین کے شبہات کا رفع کرنا تھا'' ۳۲؎۔ حالی نے 'تفسیر احمدی' کی تحسین کرتے ہوئے سرسید کی بیس اولیات کا ذکر فرمایا ہے جن پر ان کے خیال کے مطابق پہلے کسی مفسر نے گفتگو نہیں فرمائی ہے ۳۳؎۔ مزید فرماتے ہیں کہ 'حالی کے نزدیک تفسیر القرآن، جس میں گویا نئے علم کلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے، سب سے عمدہ نمونہ ان کی تصنیفات کا ہے۔ اس کا اندازہ اس سیدھے سادے اور عام فہم طریقے سے بخوبی ہوسکتا ہے جو اس تفسیر میں بمقابلہ علوم جدیدہ کے اسلام کی حمایت کے لئے اختیار کیا گیا ہے''۔ ۳۴؎ سرسید کی زندگی ہی میں مولانا عبدالحق حقانی نے 'تفسیر احمدی' کی رد میں 'تفسیر حقانی' تصنیف فرمائی جو عوام میں بے انتہا مقبول ہوئی اور آج تک اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہے۔ سرسید کے کلامی مباحث کے جواب میں مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ نے 'تفسیر ثنائی' لکھی۔ یہ تفسیر بھی کئی بار شائع ہوچکی ہے اور مسلمانوں کے ایک طبقہ میں بہت مقبول ہے۔

تفسیر سرسید کی حمایت میں حالی کی اس مفصل تحسین و توصیف سے قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ حالی و سرسید کے زمانہ میں سائنس نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ اگر قرآن کی جدید تفسیر نہ کی جاتی تو شاید جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا قرآن پر سے اعتماد اٹھ جاتا۔ یہ در اصل دبستان سرسید کی مغرب سے بے انتہا مرعوبیت کی دلیل ہے۔ یہ غلط فہمی اس لیے لاحق ہوئی کہ سرسید کا غالباً یہ گمان تھا کہ ان کے زمانہ میں علم وحکمت اس قدر عام ہے کہ دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اس سے واقف ہوگیا ہے۔ لیکن یہ غلط خیال اور مہمل بات ہے۔ سائنسی انکشافات کی جو رفتار پہلے تھی اب اس سے کئی گنا بڑھ گئی ہے اور سائنس دانوں کے لئے یہ بات حیران کن ہے کہ جو باتیں انہیں آج معلوم ہو رہی ہیں انہیں قرآن میں چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اب قرآن کے بیان کردہ سائنسی حقائق کی بنا پر ایمان لائے ہیں۔

سرسید کی تفسیر کو ایک صدی گزر چکی ہے۔ علم و تحقیق اور ایجادات و انکشافات کا

قافلہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ سائنس کی مزید ترقی کے ساتھ قرآن کے یہ حقائق مزید مبرہن ہوئے ہیں، لیکن مغیبات کا انکار کہیں نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس بات کا یقین تو سائنس دانوں کو بھی ہے کہ علم کل کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حالی کے متصلاً بعد کا پچاس سالہ دور اسی عقلی برتری کے زعم میں مبتلا تھا۔ پندار کے اس بت کو بیسویں صدی کی ابتدا ہی میں بہت سے علمائے کرام نے پاش پاش کر دیا تھا۔ ان میں سر فہرست مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں جنہیں مولانا عبدالماجد دریابادی نے بجا طور سے متکلم اسلام کا خطاب دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک مختصر مجموعۂ مضامین 'تنقیحات' بہت مقبول ہوا ہے۔ اس سے بہت سے متجد دین کے عقائد کی اصلاح ہوئی ہے۔

اگر حالی 'حیات جاوید' کے ضمیمہ میں اپنا 'معارف' میں شائع شدہ مقالہ جو تاریخ اور اصول تفسیر پر مشتمل ہے نہ شامل کرتے تو بھی 'تفسیر احمدی' کے ذیل میں انھوں نے سرسید کی جس طرح مدح سرائی کی ہے وہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ وہ سرسید کی فکری بے اعتدالیوں کے بہت بڑے مؤید ہیں۔ اس مقالہ نے تو ان کی سرسید کی فکر کی تائید پر مہر ثبت کر دی ہے۔

یہاں سرسید کی چند فکری لغزشوں پر قرآن ہی کے روشنی میں مختصر سی گفتگو کی جارہی ہے جس سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ سرسید اور ان کا پورا طائفہ مغرب کے علوم وفنون کے علاوہ ان کی مذہبی فکر سے، جو سراسر اسلامی احکام وعقائد کے خلاف تھی، بری طرح متأثر ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں اگر احادیث آڑے آئیں تو انہوں نے ان کی حجیت کا انکار کر دیا اور آیات قرآنی کی وہ تاویل کی جس نے حیرت ناک حد تک خدا و جبرئیل اور وحی و رسالت کے عقیدہ ہی کو بدل کر رکھ دیا۔

۱- سب سے پہلے ہم ذبیحۂ اہل کتاب کے مسئلہ کو لیتے ہیں جس میں طیور منخنقہ کی مطلق حلت ثابت کی گئی ہے۔ اس مسئلہ پر سرسید نے الگ سے ایک رسالہ قلم بند کیا ہے اور حالی نے اس کا ذکر بڑے تحسینی اور تصویبی انداز میں بار بار کیا ہے۔ سرسید کا خیال ہے کہ جس طرح اہل کتاب کی عورتیں مسلمانوں کے لیے حلال ہیں ویسے ہی ان کا

ذبیحہ بھی حلال ہے۔ان کا استدلال قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے ہے:

اَلْیومَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَ طَعَا مُ الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَکُمْ وَ طَعَا مُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ. (المائدہ:۵)	آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں۔اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے۔

اس آیت میں اہل کتاب کے عام کھانے کا ذکر ہے،ذبیحہ کا ذکر قطعاً نہیں ہے، اس لیے اس آیت سے موجودہ عیسائیوں کے غیر مذبوح ذبیحہ کے جواز پر استدلال سخت مغالطہ اور تاریخی اور مذہبی حقائق کا انکار کرنا ہے۔اس سے اصول تفسیر کی پامالی ہوتی ہے:

ا] تفسیر کا بنیادی اصول یہ ہے کہ **القرآن یفسّر بعضه بعضا** یعنی قرآن کے کسی مجمل یا غیر واضح حکم کی تشریح قرآن ہی میں دوسرے مقامات پر مل جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ کو سمجھنے کے لئے پورے قرآن پر نظر ہونا ضروری ہے۔

۲] اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ایک نبیؐ کے اوپر نازل کیا جو اس کی تشریح و توضیح کرتا اور اس کے اسرار سے لوگوں کو واقف کراتا ہے،جیسا کہ ارشاد ہے:

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یتفکّرُونَ (النحل:۴۴)	''اور یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں،شاید کہ وہ غور و فکر کریں''۔

سرسید اور حالی دونوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کی ہر آیت ایک مطلق حکم ہے۔یہی سبب ہے کہ سرسید نسخ کے بھی قائل نہیں۔یہ دونوں اصول،جن پر سرسید اور حالی کی تفسیر کی بنیاد ہے،باہم متعارض (Parodoxical) ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حیوانی ماکولات کو (باستثنائے چند) تین شرائط سے مقید کردیا ہے:

(۱) تذکیہ یا اہراق دم یعنی خون بہانا۔کیونکہ اللہ نے خون کو مطلق حرام کردیا ہے۔یہ حکم قرآن میں چار جگہ آیا ہے (البقرۃ:۱۷۳،المائدۃ:۳،الانعام:۱۴۵،النحل:۱۱۵)۔

(۲) ذبح سے پہلے اللہ کا نام لینا۔اس کا ذکر بھی قرآن میں کئی جگہ ہے (المائدۃ:۴)۔

(۳) صرف حلال چوپایوں کا ذبیحہ کرنا (المائدۃ:۱-۳)۔

لطف یہ ہے کہ یہودیوں کے یہاں بھی ذبیحہ کے لئے یہ تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں ۳۵؎۔ اسی لیے یہودیوں کا ذبیحہ آج بھی مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کے حکم کو باقی رکھا تھا ۳۶؎، لیکن سینٹ پال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری شریعت ہی منسوخ کردی ۳۷؎۔ یہاں تک کہ خنزیر ہی نہیں بلکہ تمام ممنوع ماکولات کو اس نے حلال کردیا۔

مذکورہ تینوں شرائط ذبح کی روشنی میں جب ہم سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۵، جس میں اہل کتاب کے طعام کی حلت بیان کی گئی ہے، پرغور کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل دو نتائج سامنے آتے ہیں۔ یا تو طعام اہل کتاب کے معاملہ میں نصاریٰ کے لیے اس آیت میں تخصیص مانی جائے یعنی ان کے صرف ماکولاتِ غیرحیوانی حلال ہیں، یا یہ مانا جائے کہ عہد نبوی میں نصاریٰ کے جس گروہ کے مسلمانوں کا سابقہ تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق توریت کی شریعت پر عامل تھا ۳۸؎۔ آج بھی عیسائیوں کا ایک فرقہ موحدین (Unitarian) موجود ہے جو الوہیت مسیح، تثلیث اور کفارہ کا قائل نہیں ہے۔ یہ تو سینٹ پال تھا جس نے عیسائیت سے شریعت کو ختم کردیا تھا ۳۹؎ تاکہ دین آسان ہو جائے اور لوگوں کو اس مذہب کی طرف رغبت پیدا ہو۔ ماکولاتِ حیوانی کی حلت کی یہ تینوں شرطیں موجودہ عیسائیت میں پوری نہیں ہوتیں، اس لیے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۵ سے گردن مروڑی ہوئی مرغی کے جواز کی دلیل لانا بالکل غلط ہے۔ حالی نے طیور منخنقہ کی حلت میں ترکی کے علماء کے مثبت عمل کو پیش کیا ہے۔ اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص احادیث رسولؐ سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف قرآن کو دلیل کے طور پر پیش کرنے ہی کو صواب سمجھے اس کے لیے کسی کے مبینہ غلط طرز عمل سے دلیل لانا بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔

اس ذیل میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ 'منخنقہ' کو اللہ تعالیٰ نے 'میتة' ہی کی تشریح میں پیش فرمایا ہے۔ پوری آیت یوں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ، وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيحَةُ وَ مَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ أَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ، ذَالِكُمْ فِسْقٌ (المائدہ:۳)

''تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن تم اسے ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں، اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعہ فال گیری کرو، یہ سب بدترین گناہ ہیں''۔

اس آیت کریمہ میں منخنقہ کو علی الاطلاق حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے طیور منخنقہ کی حلت کسی بھی طور درست نہیں ہوسکتی۔ اگر اسے درست مانا جائے تو پھر خنزیر کو بھی لازماً حلال قرار دینا پڑے گا کیونکہ آج کل کے عیسائی خنزیر کا گوشت بھی بطیّب خاطر استعمال کرتے ہیں۔

۲۔ 'نسخ آیات' اصول تفسیر کا ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں مفسرین کے کئی گروہ ہیں، اور نسخ کی تعداد ہر ایک کے نزدیک زیادہ یا کم ہے۔ لیکن اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو اختلاف کی تعداد بہت محدود ہوجاتی ہے۔ مثلاً وصیت کا حکم، جو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ میں ہے، سورۂ نساء کی آیات وراثت سے منسوخ ہوجاتا ہے۔ یا جیسے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ میں ہے کہ اپنی کل فاضل رقم اللہ کی راہ میں دے دو، یہ حکم زکوٰۃ کی فرضیت کی وجہ سے منسوخ ہوگیا ہے۔ اس بارے میں علمائے تفسیر نے نسخ کے معنی یہ لیے ہیں کہ اگر ہنگامی حالات کبھی متقاضی ہوں تو ان پر عمل ہوسکتا ہے، جیسے یتیم پوتے کی وراثت کے لیے وصیت یا بعض غریب اور مسکین (indigent) اعزہ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت۔ ہنگامی حالت میں جب کہ اسلامی حکومت کی بقا کی جنگ لڑی جارہی ہو تو انفرادی جائداد کی حیثیت ختم ہوجائے گی۔

آیات نسخ کی کثیر تعداد دراصل **تعمیم خاص** یا **تقیید مطلق** کے ذیل

میں آتی ہے جو اصلاً نسخ نہیں ہیں، لیکن بعض علماء نے انہیں نسخ میں شمار کیا ہے، جیسے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۲۳ میں دو بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنے سے منع کیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس حکم خاص کو وسعت دیتے ہوئے خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے سے منع کر دیا ۴۰ ۔ یا جیسے سورۂ کوثر میں کہا گیا کہ نماز پڑھو اور قربانی کرو، تو قربانی کے اس مطلق حکم کو یوم النحر کی قربانی سے مقید کر دیا گیا ۔ اس نسخ کی بے شمار مثالیں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے ۔ آیات نسخ کی تعداد میں اضافہ کا خاص سبب یہی ہے، ورنہ منسوخات کی اصل تعداد بہت ہی کم ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (البقرہ:۱۰۶) ''جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں'' ۔ اس سے قرآن کے مقصد نسخ کی اچھی توضیح ہوتی ہے ۔ (مولانا شمس پیرزادہ نے آیت کا ترجمہ حکم کیا ہے، اس سے مقصد کی اور وضاحت ہو جاتی ہے) ۔ یہ نسخ قرآن کی آیتوں سے بھی ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی ۔ اس لیے سرسید اور ان کے طائفہ کا نسخ آیات سے مطلق انکار سراسر نص قرآنی کے خلاف ہے ۔

مزید ستم یہ ہے کہ سرسید نے مغربی آقاؤں کی (اللہ سوئے ظن سے معاف فرمائے) خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پوری بائبل کو محکم قرار دیا ہے ۔ ان کی کتاب 'تبیین الکلام' میں غالباً یہی بحث ہے ۔ یہ وہ نکتہ ہے جہاں شاہ پرست شاہ سے بھی بڑھ گئے ہیں ۔ عیسائی علماء بائبل کو منزل بالوحی نہیں بلکہ منزل بالالہام مانتے ہیں، اور یہ الہام لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے، جب کہ سرسید نے بائبل کے الفاظ کے محکم ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے ۔ قرآن نے سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت نمبر ۱۰۶ میں ''أو نُنسِهَا'' کا جو لفظ استعمال کیا ہے اگر اس کا مرجع بائبل کو مان لیا جائے تو اس آیت کی بہترین تشریح ہو جاتی ہے ۔ قرآن نے اہل کتاب کی الہامی کتابوں میں تحریف کی صراحت کی ہے:

'' فَوَیْلٌ لِّلَّذِینَ یَکْتُبُونَ الْکِتَابَ بِأَیْدِیهِمْ ثُمَّ یَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِندِاللّٰهِ لِیَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِیلًا ، فَوَیْلٌ لَهُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ أَیْدِیهِمْ وَ وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَکْسِبُونَ

(البقرہ:۷۹) ''ان لوگوں کے لئے 'ویل' ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دیتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل 'ہلاکت' اور افسوس ہے''۔

بائبل کو پڑھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ موجودہ بائبل (عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید دونوں) میں اللہ کا کلام بھی ہے، رسول کی گفتگو بھی ہے اور تاریخ بھی ہے۔ اس طرح موجودہ کتاب بائبل کو کسی طور سے منزل من اللہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لیے سرسید کی یہ کوشش عیسائیوں اور مسلمانوں کو مخلصانہ طور سے ایک کرنے کی کوشش تو ہوسکتی ہے، لیکن اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ قرآن اس فکر کی پوری قوت سے تردید کرتا ہے۔

۳۔ جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے، سرسید نزول مسیح کے قائل نہیں ہیں۔ نزول مسیح کے بارے میں قرآن ناطق ہے۔ سورۂ نساء کی آیات ۱۵۷ تا ۱۵۹ ملاحظہ ہوں۔ ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کے دعووں کے برخلاف صاف طور پر کہا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب، بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔ اللہ نے انہیں (اوپر) اٹھا لیا۔ ان (حضرت عیسیٰؑ) کی موت سے قبل تمام اہل کتاب ان کے اوپر ایمان لے آئیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ رفع کے بعد جب تک دوبارہ نزول نہ ہو ان پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سرسید نے ظہور مہدی کی روایات کا انکار کیا ہے۔ اگرچہ علمائے اسلام میں سے بھی بہت سے لوگ ظہور مہدی کی روایات کو ضعیف سمجھتے ہیں، لیکن ایک طبقہ ان کو مشہور و متواتر سمجھتا ہے[۴۱]۔ لیکن نزول عیسیٰؑ کی روایات تو اس کثرت سے ہیں کہ انہیں تواتر کا درجہ دیا جاسکتا ہے[۴۲]۔

نزول مسیح کے منتظر یہودی، عیسائی اور مسلمان تینوں ہیں، لیکن تینوں کے نزدیک نظریات اور مقصد نزول میں فرق ہے۔ یہودی اور عیسائی ان کی آمد کے اس لیے چشم براہ ہیں اور اس کے استقبال کے لیے اقوام متحدہ کے ذریعہ فلسطین میں ایک نام نہاد مملکت اسرائیل کے نام سے قائم کر دی گئی ہے تاکہ ان کا مسیح موعود، کوہ صہیون

(mount Zion) پر واقع 'تخت داؤد' پر رونق افروز ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے اس مسیح کاذب کو دجال (اکبر) کا نام دیا ہے اور نمازوں میں اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۴۳۔

۴۔ **معجزات اور خرق عادات** کے بارے میں سرسید اور حالی کی آراء ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ معجزات کا بیان تو بائبل میں بھی ہے۴۴۔ اور عیسائی حضرات تو حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کی وجہ سے انہیں خدا تک کہنے لگے ہیں۔ اب یہ موضوع زیادہ تفصیل کا محتاج نہیں رہ گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق پیغمبروں کی روحانی قوت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے۔ تفسیر حقانی اور تفسیر ثنائی کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی کی تیسری جلد اسی کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ انھوں نے مولانا عبد الباری ندوی کے فلسفیانہ مباحث کو بنیاد بناتے ہوئے پیغمبروں کے معجزات کو صحیح ثابت کیا ہے۔ دراصل معجزات کا انکار اللہ تعالیٰ کی صفت اختیار کا انکار ہے۔ خرق عادات تو بعض اوقات اولیائے کرام سے بھی صادر ہوئے ہیں، لیکن ان کی کرامات کو استدلال کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ معجزات کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ کے اذن کے بغیر ظاہر نہیں ہوتے اور انہیں معجزہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ سرسید کے عقیدۂ نیچر کے خلاف ظہور میں آتے ہیں۔

۵۔ **احادیث کی حجیت**۔ سرسید کی تفسیر احمدی میں جتنے تفردات ہیں انہیں حالی کی تمام تر کوششوں کے باوجود نہ تو مسلم علماء نے قبول کیا اور نہ مسلم عوام نے، لیکن سرسید نے احادیث کے ساتھ جو سلوک کیا اس نے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا جس نے مکمل طور سے احادیث کی حجیت کا انکار کر دیا۔ یہ بات واضح ہے کہ احادیث پر شکوک وشبہات وارد کرنا مستشرقین کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ وہ قرآن کو معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی تصنیف اور احادیث کو مشکوک اور مشتبہ قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں منکرین حدیث کا جو ٹولہ پیدا ہوا اسے حدیث سے انکار میں شریعت کے بیش تر احکام پر عمل سے فرار کا ایک عمدہ بہانہ ہاتھ آگیا ہے۔

یہاں سرسید کے عقیدۂ قرآن پر گفتگو پیش نظر نہیں ہے، بلکہ حالی کی فکر پر مغرب

کے اثرات کا مطالعہ مقصود ہے۔اس کے لیے مندرجہ بالا نکات کافی ہیں۔واضح رہے کہ حاؔلی کی ادبی خدمات اور سرسید کی تعلیمی اور سماجی خدمات کو امت نے بطیبِ خاطر قبول کیا ہے اور ان بزرگوں کی قرار واقعی قدر ومنزلت کی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان بزرگوں کی قدر دانی میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔اس مقالہ میں سرسید کی سیاسی اور دینی فہم پر جونکیر کی گئی ہے اور جسے مغربی فکر سے مرعوبیت کا شاخسانہ ثابت کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی نہ تو اہانت مقصود ہے اور نہ اس سے ان کی اہانت ہی لازم آتی ہے۔یہ تو دراصل تاریخ اور تفکیر کا عملی تجزیہ ہے۔ ورنہ سرسید کے معروفات مسلمانوں میں مقبول اور منکرات مردود ہو چکے ہیں۔حاؔلی کی توضیحات نے بھی اس سلسلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ تلخیص حیات جاوید، کتب خانہ انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۶ء، ڈاکٹر قمر رئیس، ص ۲۶۔
۲۔ ایضاً، ص۲۰۔ ۳۔ ایضاً، ص ۲۱۔
۴۔ ایضاً، ص ۲۱۔ ۵۔ حیات سعدی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۰ء، تعارف از رشید حسن خاں۔
۶۔ تلخیص حیات جاوید، ص ۶۹۔ ۷۔ ایضاً، ص ۷۔
۸۔ مالک رام، مقدمہ یادگار غالب، مکتبہ جامعہ، ۱۹۹۴ء۔
۹۔ تعارف تلخیص حیات جاوید، ص ۳۹۔ ۱۰۔ ایضاً، ص ۴۸۔
۱۱۔ سید عبد اللہ، تلخیص، ص ۴۴۔ ۱۲۔ تلخیص، ص ۷۰۔
۱۳۔ اس موضوع پر راقم کا مقالہ ''مولانا شبلی کی سیرۃ النعمان اور اس پر معارضات'' اپریل تا جون ۲۰۰۷ء کے 'تحقیقات اسلامی' میں ملاحظہ ہو۔
۱۴۔ حیات جاوید۔ص ۵۱۹۔ ۱۵۔ ایضاً۔ص ۴۱۴۔
۱۶۔ ملاحظہ کیجیے 'سہ ماہی مطالعات، نئی دہلی، اپریل- جون ۲۰۰۸ء میں راقم کا مقالہ
۱۷۔ ص ۱۱۵۔ ۱۸۔ ص ۱۱۵۔
۱۹۔ ص ۶۵۱۔ ۲۰۔ ص ۵۲۳۔
۲۱۔ ص ۵۱۹۔ ۲۲۔ ص ۵۲۳۔
۲۳۔ ص ۲۴۔ ۲۴۔ ص ۶۲۶۔
۲۵۔ ملخص از صفحات ۶۲۳ وبعد۔ ۲۶۔ ص ۶۳۸۔
۲۷۔ ص ۲۷۲۔

۲۸ دیکھئے تفہیم القرآن (مولٰنا مودودی)، جلد چہارم، ضمیمہ سورہ احزاب، ص ۱۵۴ تا ۱۵۹۔

۲۹ کتاب زبور کے ابواب ۳۷، ۳۸ میں مذکور بشارت کے یہود منتظر ہیں اور عیسائیوں کے لیے تو یوحنا کے مکاشفات (عہد نامۂ جدید کی آخری کتاب) اسی بشارت سے پر ہے۔

۳۰ مکاشفات ۱۶:۱۶۔ ۳۱ حیات جاوید، ص ۶۱۵۔

۳۲ ص ۶۱۷۔ ۳۳ ص ۶۱۸ تا ۶۲۲۔

۳۴ ص ۶۲۲۔

۳۵ سور کی حرمت کے لیے دیکھئے کتاب احبار ۱۱: ۷، خون کی حرمت کے لیے احبار ۳:۱۷، ۱۹:۲۶ نیز کتاب استثناء ۱۲:۱۶، میتہ (مردار) کی حرمت کے لئے استثناء ۱۴:۲۱، تذکیہ کے لیے احبار ۱:۱۵ نیز پورا چوتھا باب۔ قربانی پر اللہ کا نام لینے کے لیے بائبل میں صرف کاہن کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ یہودیوں کے یہاں آج بھی ان احکام پر عمل ہو رہا ہے۔

۳۶ دیکھئے انجیل متی ۵: ۱۷، ۱۸۔ ۳۷ دیکھئے پولس کا خط رومیوں کے نام ۳: ۲۰، ۲۱۔

۳۸ ''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے'' (انجیل متی ۵: ۱۷، ۱۸)۔

۳۹ ''شریعت کے اعمال سے کوئی بشر اس کے حضور راست باز نہیں ٹھیرے گا۔ اس لیے کہ شریعت کے وسیلہ سے تو گناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے۔ مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راست بازی ظاہر ہوگئی ہے، جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے'' (رومیوں کے نام پولس کا خط، ۳: ۲۰، ۲۱)۔

۴۰ یہ پورا حکم توریت میں بھی پایا جاتا ہے، ملاحظہ ہو، دو بہنوں کو جمع کرنے کی ممانعت، احبار ۱۸: ۱۸، پھوپھی اور خالہ سے تعلق قائم کرنے کی حرمت، احبار ۱۸: ۱۲، ۱۳۔

۴۱ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''مسئلۂ امام مہدی آخر الزماں'' از مولانا محفوظ الرحمٰن، مکتبہ ابوالفہیم، مئوناتھ بھنجن، ۱۹۰۴ء۔

۴۲ تفہیم القرآن، ۴/۱۵۴-۱۵۹

۴۳ صحیح بخاری، کتاب الاذان: ۸۳۲، صحیح مسلم، کتاب المساجد: ۵۸۹، سنن ابو داوٗد، کتاب الصلاۃ: ۸۸۰، سنن نسائی ۳/ ۵۸)

۴۴ دیکھئے انجیل متی۔ ابواب ۸، ۹۔